فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۳ شمارہ: ۴

عہدِ صحابہ میں رد و قبولیت حدیث کا معیار

ڈاکٹر ابرار محی الدین مرزا*

اصحابِ رسولﷺ کی مقدس جماعت آنحضورﷺ کے زندہ و تابندہ معجزات میں سے ایک ہے۔ وہ اس طرح کہ انسانیت کی معلوم تاریخ میں انبیاء علیہم السلام کے بعد روئے زمین پر انسانوں کا کوئی ایسا گروہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا جس نے بنی نوع انسان کو اس کی روحانی و مادی ارتقاء کا وہ سامان فراہم کیا ہو جو اصحابِ رسولﷺ فراہم کر کے گئے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسانوں کا ایسا متمدن معاشرہ تخلیق کر کے گئے جس کی نظیر چشم فلک نے اس سے قبل اور بعد کبھی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں دیکھی، اور یہ متمدن معاشرہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ قائم رہا، جو اپنے اندر انسانی فلاح و بہبود کے تمام پہلو رکھتا تھا۔ جس کی جھلک مسلم تاریخ کے صفحات میں آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں رابرٹ بریفالٹ کی ''Making of Huminaty'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اصحابِ رسولﷺ نے یہ مقام حُبّ رسولﷺ کے تقاضوں کو بجا لا کر حاصل کیا تھا حُبّ یا محبت تین چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ احترام، اطاعت اور خیرخواہی۔ صحابہ کرامؓ نے محبت کے یہ تینوں تقاضے کیسے پورے کیے، ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک مثال دی جاتی ہے۔

۱۔ احترام رسولﷺ کی مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے سفیر عروہ ابن مسعودؓ (جو اس وقت مسلمان نہ تھے) کا وہ بیان ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

> ''**واللّٰہ مارأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ بالعظم اصحاب محمد محمداً**''(۱)
>
> اللہ کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کی لوگ اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر محمدﷺ کی اصحابِ محمدﷺ کرتے ہیں''۔

آگے اس تعظیم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: آپ کے ساتھی آپ (محمدﷺ) کے آبِ دہن کو بھی محفوظ کر لیتے ہیں اور پھر اس کو جسم پر مل لیتے ہیں اور جب محمدﷺ وضو کرتے ہیں تو استعمال شدہ پانی لینے کے لیے باہم لڑ پڑتے ہیں، وہ تعظیم محمدﷺ میں آنکھ اٹھا کر بات نہیں کرتے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۲۔ یہ تو احترام رسول ﷺ تھا، اطاعت رسول ﷺ کا عالم یہ تھا کہ اصحاب رسول ﷺ کے پورے گروہ میں ہم نے کبھی کسی صحابیؓ کے بارے میں یہ نہیں پڑھا کہ اس نے دین کے متعلق کسی حکم رسول ﷺ کی تعمیل سے روگردانی کی ہو۔ اس بارے میں تو کیفیت یہ تھی کہ عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اچانک میں نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سُنے کہ بیٹھ جاؤ اور میں اس وقت مسجد کے دروازے پر جوتیوں والی جگہ پر تھا، وہیں بیٹھ گیا (کہ مبادا یہ حکم میرے لیے ہو) جب دورانِ خطبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا، عبداللہ آگے آ جاؤ[۲] تو میں آگے چلا گیا۔

۳۔ خیر خواہی رسول اللہ ﷺ کا عالم یہ تھا کہ مقاصدِ نبوت کی تکمیل میں رسولِ خدا ﷺ کو پیش آنے والی مشکلات کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ مقصد افراد کی تربیت کے ذریعے ایک فلاحی معاشرے کا قیام تھا جس میں تمام انسانوں کو بلاتفریق مذہب و ملت یکساں حقوق حاصل ہوں اور جس میں اصل حاکیت مطلقہ اللہ کی ہو اور مکمل اطاعت رسول اللہ ﷺ کی ہو۔ اصحاب رسول ﷺ ان مقاصد نبوت کی تکمیل کو ہمیشہ مدِنظر رکھتے۔ چنانچہ ایک موقع پر افواج مسلم کو خطاب کرتے ہوئے امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے یوں فرمایا:

> "انا کنا اذل قوم فاعزنا الله بالاسلام فمهما نطلب العزة بغیرما اعزنا الله به اذلنا الله"[۳]
>
> ہم قوموں میں ذلیل ترین تھے اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت دی۔ جب بھی ہم اس (تعلیماتِ رسول ﷺ اور اسلام) کو چھوڑ کر عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

امیرالمومنین کے اس جملے کا مطلب تھا کہ اس متمدن معاشرے کو اس کی ان تمام تر روایات کے ساتھ باقی رکھو جس کو آنحضور ﷺ ترتیب دے چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں تربیت پانے والے ان لوگوں کے تعلیمات رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس طرز فکر نے ان لوگوں کو انسانیت کا ایسا امام بنا دیا تھا جن کا ایمان قابل تقلید اور جن کا اتباع نجات کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان کے ایمان کو قابل تقلید بیان کرتے ہوئے قرآن نے ان کو دنیا کے سامنے بطور حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا:

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم به فقد اهتدوا.[۴]

اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو یہ یقیناً ہدایت پا لیں۔

یہاں قرآن پاک ہدایت یافتہ ہونے کی سند حاصل کرنے کے لیے اصحاب رسولﷺ کے ایمان کو بطور سند بیان کر رہا ہے۔ یہی نہیں پھر آگے یہ بھی کہتا ہے کہ اس قسم کے اصحابِ ایمان کو ہمہ وقت اللہ کی نصرت حاصل رہتی ہے۔ جیسا کہ ان (صحابہ کرامؓ) کو حاصل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے لیے اس نصرت کا بیان قرآن نے یوں کیا:

لقد نصر کم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ.(۵)

بلاشبہ اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی۔

صحابہ کرامؓ کی دینی خدمات کا ذکر قرآن نے بڑے کھلے الفاظ میں کیا ہے:

والذین اٰمنوا و ھاجروا و جھدوا فی سبیل اللّٰہ والذین اٰوَوا وّنصروا اولئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ و رزق کریم.(۶)

جو لوگ ایمان لائے اور مہاجر ہوئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور مدد کی یہ سب پکے مومن ہیں، ان کے لئے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔

قرآن کے اس بیان کے بعد حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے صاحب ایمان ہونے اور اس بارے میں ان کی پیروی کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ کی اتباع کو نجات کے لیے لازمی قرار دیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن کے متعدد مقامات حوالے کے طور پر بیان کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

والسّٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ.(۷)

اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سب (امت) سے مقدم ہیں اور بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ سب اللہ سے راضی ہیں۔

دوسرے مقام پر ان کے طور طریقوں سے روگردانی پر جہنم کی وعید سنائی، اس بارے میں فرمایا:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و سآء ت مصیرا.(۸)

اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق ظاہر ہوگیا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو کوتاہی کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ مقتدایانہ حیثیت علمائے اُمت میں بھی مسلمہ ہے، چنانچہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

ما اجمع علیه الصحابة فهو بمنزله الکتاب والسنة فی کونه مقطوعا به حتیٰ یکفر جاحده. (۹)

جس بات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو وہ دلیل قطعی ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ کتاب و سنت کے ہے، اس کا منکر کافر ہے۔

اصحاب رسول ﷺ کو اپنے اس عدیم النظیر مقام و مرتبے کا پورا پورا احساس تھا، اور بڑے لوگوں کو اپنی بڑی ذمہ داریوں کا احساس بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا بڑا ان کا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کی بناء پر اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا مکمل احساس تھا اور وہ احساس یہ تھا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ ہیں۔ دین کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے اور دین آنے والی نسلوں تک من وعن پہنچانا بھی ہمارا فرض ہے۔ انہیں پتہ تھا کہ قرآن اور صاحب قرآن ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ صرف اور صرف ہم ہیں۔ اس درمیانی واسطے کو دین کے تحفظ اور تبلیغ کے تمام تقاضے باحسن نبھانے چاہئیں، اور اس کام میں کوئی کوتاہی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس احساس ذمہ داری کی مثال وہ روایت ہے کہ جس میں ہے کہ حضرت طلحہؓ نے حالت احرام میں ایسی چادر لی ہوئی تھی جس کا کچھ حصہ رنگین تھا جسے دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت طلحہؓ نے کہا امیرالمومنین یہ صرف رنگ ہے جس میں خوشبو نہیں اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ یوں تھے:

''اے گروہ مسلم! تم لوگوں کے امام بنائے گئے ہو، اگر کسی جاہل فرد نے اس کپڑے کو (تم پر) دیکھ لیا تو کہے گا کہ طلحہ نے رنگ والے کپڑے کا احرام باندھا ہوا تھا۔ اے گروہ مسلم! ایسا رنگ دار کپڑا مت پہنو''۔ (۱۰)

اس روایت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ کو تبلیغ و اشاعت دین کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا کس قدر احساس تھا۔ اس بناء پر اصحاب رسول ﷺ اپنی زندگیوں میں احکام دین پر پورے طور پر عمل پیرا بھی ہوتے کہ کل کو ان کی زندگیاں بھی دین کے حصے کے طور پر بیان ہوں

گی، اور اشاعت دین کے تعلیمی تقاضوں کے ساتھ ساتھ بیانی تقاضے بھی پورے کرتے۔ احادیث کو اکٹھا کرتے، پھر ان کی درس و تدریس کا اہتمام کرتے۔

احکام دین کی درس و تدریس میں احتیاط بھی اصحاب رسول ﷺ کے پیش نظر رہتی تھی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر اخذ و روایت حدیث کا کام وہ آنکھیں بند کر کے نہ کرتے۔ بلکہ بیان و روایت حدیث میں اپنے اس ملکہ تدبر و تفکر کا بھرپور استعمال کرتے تھے جو تربیت رسول ﷺ کے نتیجے میں ان میں سے ہر ایک میں بقدر ظرف پیدا ہو چکا تھا۔ روزمرہ زندگی میں ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ تمام انسان اپنی جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کے لحاظ سے برابر نہیں ہوتے۔ کسی کو اللہ نے جسمانی لحاظ سے زیادہ طاقتور بنا دیا ہے تو کسی کو کم جسمانی طاقت دی ہے کسی کو زبردست فہم و فراست کا ملکہ عطا کیا ہے تو کسی کو فہم و فراست میں کم حصہ ملا ہے۔ یہ اصول اصحاب رسول ﷺ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ فہم و فراست دین کے لحاظ سے تمام اصحابِ رسول ﷺ برابر نہ تھے۔ اس کی ایک مثال امام بخاریؒ کی یہ روایت ہے جس میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے میت کی بیٹی، پوتی اور بہن کے حصے کا پوچھا جس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ بیٹی اور بہن کے لئے نصف نصف ہے۔ پھر یہ مسئلہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے فتویٰ کے بارے میں بھی بتایا گیا جس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا میں اس مسئلے کا فیصلہ وہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف اور پوتی کے لیے چھٹا دوتہائی تک پھر جو بچے وہ بہن کا۔ بعد میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بتایا گیا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے مسئلہ یوں بتایا ہے، تو اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا:

لا تسئلونی مادام هذا الحبر فیکم. (۱۱)

جب تمہارے درمیان ایسا عالم موجود ہو تو مجھ سے مسئلہ مت پوچھا کرو۔

اس روایت سے چند باتوں کا پتہ چلتا ہے: پہلی بات یہ کہ اس دور میں اس بات کا امکان تھا کہ کسی روایت کا کسی ایک صحابی کو علم ہو اور دوسرے صحابی کو علم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض صحابہ کرامؓ کی علمی برتری دوسرے صحابہ کرامؓ کے ہاں مسلمہ تھی جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ حدیث کا علم نہ ہونے کی بناء پر صحابہ کرامؓ اپنے ملکہ اجتہاد اور تفکر و تدبر کی بناء پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اصحابِ رسول ﷺ میں یہ فرق مراتب تابعین کے ہاں معروف و مشہور تھا چنانچہ مشہور تابعی مسروق کہتے ہیں:

میں اصحابِ رسول ﷺ کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں، میں نے انہیں کنوؤں کی مانند

پایا۔ بعض کنویں ایک آدھ فرد کو سیراب کرتے ہیں بعض کنویں دو افراد کو سیراب کرتے ہیں اور بعض کنویں دس افراد کو سیراب کرتے ہیں اور بعض کنویں سو افراد کو۔ ان میں ایسے بھی تھے کہ تمام اہل زمین اس پر اتریں تو وہ سب کو سیراب کر دیں۔[۱۲]

اصحابِ رسول ﷺ کا یہ علمی فرق مراتب امت کے ہاں بھی مسلمہ ہے۔ چنانچہ ابن قیمؒ (م۷۵۱ھ) اپنی بے نظیر تصنیف ''اعلام الموقعین'' میں اصحاب فتاوی کی برتری بیان کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کے درمیان فرق و مراتب بیان کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ میں اصحاب فتاوی کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والذین حفظت منھم الفتوی من اصحب رسول اللّٰہ مئة و نیف و ثلثون نفسا ما بین رجل و امراة.[۱۳]

اصحابِ رسول ﷺ میں جن لوگوں کے فتاوی محفوظ کیے گئے ان کی تعداد بشمول مرد و عورت ایک سوتیس ۱۳۰ افراد سے کچھ زیادہ ہے۔

پھر آگے ان اصحاب فتاویٰ کے تین طبقات بیان کرتے ہوئے حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''**المکثرون فی الفتوی، المتوسطون فی الفتوی والمقلون فی الفتوی،** پھر ان میں **المکثرون فی الفتوی** کی تعداد انہوں نے سات بیان کی ہے۔ **المتوسطون** کی اُنیس جبکہ **المقلون** کی تعداد انہوں نے سو بیان کی ہے۔ ان **المقلون** کے ناموں میں انہوں نے سیّدنا معاویہؓ اور سیّدنا ابوہریرہؓ کے نام بھی گنوائے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے اس فرق و مراتب کو حافظ ابن قیمؒ نے ہی نہیں بلکہ ابن جوزیؒ (م۵۹۷ھ) نے بھی اپنی تصنیف ''**تلقیح فھوم اھل الاثر**'' میں بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس تقسیم کا ذکر شاہ ولی اللہؒ نے بھی کیا ہے۔[۱۴]

اصحاب رسول ﷺ کے دور پر غور وفکر کرتے ہوئے یہ ایک بڑی عجیب بات سامنے آتی ہے کہ جو صحابہ کرامؓ اصحاب فتویٰ ہونے میں جتنے زیادہ معروف ہیں ان سے روایت حدیث اسی قدر کم ہے۔ خود خلفائے راشدینؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہر صحابیؓ اپنی اپنی علمی بساط کے مطابق دین کے پیامبر تھے۔ وہ اپنی روزمرہ مصروفیات کے باوجود تبلیغ و اشاعت علم میں اپنی ذمہ داریوں کے تقاضے پورے کرتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی سرگرمیوں کا محور قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان دونوں سے کما حقہ باخبر رہنا اور دوسروں کو باخبر رکھنا ان کی زندگیوں کا اہم مقصد تھا۔ اس بارے میں وہ ایک ایک روایت کے لیے طویل سفر بھی کرتے جیسا کہ حضرت ابو ایوب

انصاریؒ کے بارے میں کتب میں مذکور ہے کہ آپؓ نے ایک روایت کے لیے شام تک کا سفر کیا۔ اس واقعہ کو خطیب بغدادیؒ (م۴۶۳ھ) نے "**الکفایه فی علم الروایه**" اور ابن عبدالبرؒ نے (م۴۶۳ھ) "**جامع بیان العلم**" میں روایت کیا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو براہِ راست نبی کریم ﷺ سے ارشاد سننے کا موقع نہ ملتا تو وہ دیگر صحابہ کرام سے بھی روایت نقل کرتے تھے جنہوں نے اسے براہِ راست نبی کریم ﷺ سے سنا ہوتا۔ حضرت براء ابن عازب انصاریؓ فرماتے ہیں:

لیس کلنا سمع حدیث رسول اللّٰه کانت لنا ضیعة و أشغال ولکن الناس کانوا لایکذبون یومئذ و یحدث الشاهد الغائب.(۱۵)

ہمارے تمام لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیث نہ سنتے تھے کیونکہ ہماری کھیتی باڑی بھی تھی اور دیگر مصروفیات بھی ہو جاتی تھیں جس میں ہم مشغول رہتے تھے تاہم لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ (سنے گئے فرامین نبوی ﷺ) غیر حاضر افراد تک پہنچاتا۔

ایسا اس بناء پر تھا کہ عربوں میں جھوٹ بولنے کا رواج تو زمانہ جاہلیت میں بھی نہ تھا کہ وہ اسلام لانے کے بعد اس اخلاقی برائی کا ارتکاب کرتے جب کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر جہنم کی وعید بھی سنائی۔ اس بناء پر صحابہ کرامؓ اخذ و روایت حدیث کے سلسلے میں احتیاط و اجتہاد سے بھرپور کام لیتے۔ اجتہاد و احتیاط کے یہی اصول و ضوابط آگے چل کر فن حدیث کی مختلف اصلاحات کی صورت میں سامنے آئے۔ چنانچہ اس مقدس دور میں اخذ و قبول روایت کے جو اصول اسوۂ صحابہ کرامؓ سے سامنے آئے ہیں ان میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

(۱) اخذ و روایت حدیث میں احادیث احکام کو پیش نظر رکھا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ کے فرامین، امور شرعیہ کے حوالے سے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق منصب رسالت ﷺ کے تقاضوں کے ساتھ ہے اور دوسرے وہ جن کا تعلق منصب کے تقاضوں سے نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت ایک فرد کے انجام دیئے یا مربی و محسن کے مشورے کے طور پر ارشاد فرمائے جس کی مثال حضرت زیدؓ کے نکاح اور طلاق دینے کی ہے۔ میاں بیوی میں نباہ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت زیدؓ طلاق دینا چاہتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ اس سے منع فرماتے ہیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کے منع فرمانے کے باوجود حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ پورا واقعہ سورۂ احزاب میں بھی بیان ہوا ہے۔ لیکن حکم نبوی ﷺ کی خلاف ورزی پر نہ ہی نبی اکرم ﷺ نے

زیدؓ پر دار و گیر کی اور نہ ہی ساتھی صحابہ کرامؓ نے اس پر نکیر کا اظہار کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کا طلاق سے روکنا ایک محسن کے مشورے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس ممانعت سے مقصد زیدؓ کا حق طلاق ساقط کرنا نہ تھا۔ جب کہ دیگر احکام جو آپﷺ نے ارشاد فرمائے جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، بیع و شراء وغیرہ جن کا تعلق منصب رسالتﷺ کے تقاضوں سے تھا، اس لیے ان کی حیثیت حکم شرعی کی تھی۔ ان احکام شرعیہ کا رسول اللہﷺ کے حوالے سے بیان سنن ہدی کہلاتا ہے، اور اوّل الذکر کے لیے بیان سنن زوائد کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ سنن کی اس تقسیم کی نشاندہی بھی خود آپ نے ہی ارشاد فرمائی ہے جیسا کہ فرمان نبویﷺ ہے:

اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشيء من رأي فإنما انا بشر. [۱۶]

جب میں تمہیں دین کے سلسلے میں کوئی حکم دوں تو اس پر کاربند ہو جاؤ اور اگر کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو جان لو کہ میں تمہاری طرح کا ایک فرد ہوں۔

اس فرق کو محدثین نے بھی روایت حدیث میں مدنظر رکھا ہے۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی **"الجامع الصحیح"** میں باب باندھا ہے:

باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ما ذكره رسول الله ﷺ من معايش الدنيا على سبيل الرأي. [۱۷]

باب ان احکام کی بجا آوری کا جو آپ نے شرع کے سلسلے میں فرمائے، اور جو آپ نے دنیاوی امور میں اپنی رائے سے دیئے اس کی بجا آوری لازمی نہیں۔

اس تقسیم کا واضح پتہ دورِ صحابہؓ میں روایت حدیث سے بھی چلتا ہے۔ اصحاب رسولﷺ سنن ہدی ہی کی روایت کرتے تھے اور سنن ہدی ہی اخذ کرتے تھے اس لیے کہ یہ اصل دین تھیں۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کے بارے میں جو آتا ہے کہ آپ روایت حدیث کی عام اجازت نہ دیتے تھے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ خدانخواستہ تبلیغ دین کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ سنن زوائد کی روایت ناپسند فرماتے تھے، صرف سنن ہدی کی اجازت دیتے تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں:

ان عمر نهى عن الحديث عما لا يفيد حكما ولا يكون سنة. [۱۸]

حضرت عمرؓ ان احادیث کی روایت سے منع کرتے ہیں جن کا تعلق احکام یا سنن ہدی سے نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ اس فرد کو روایت حدیث کی اجازت دیتے تھے جو روایت کا حافظ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس اصول کی نشاندہی بھی ابن عبدالبرؒ نے حضرت عمرؓ کے الفاظ میں یوں کی ہے:

من وعاها و عقلها و حفظها فليحدث بها حيث تنتهى به راحلته ومن خشيها ان لا يعيها فانى لا احل له ان يكذب. (۱۹)

جس نے حدیث کو اچھی طرح حافظے میں بٹھا لیا ہو اور اس کو سمجھ لیا ہو اور یاد کر لیا ہو وہی اس کو بیان کرے اور جس کو اندیشہ ہو کہ وہ حدیث کو حفظ نہ کر سکے گا اس کو جھوٹ بولنے کی اجازت نہ دوں گا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اس طرزِ عمل کا ذکر شاہ ولی اللہؒ نے بھی کیا ہے، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق بیان احادیث بہ تبلیغ شرائع تکمیل افراد تعلق دارد از غیر آں معروف ساخت لہذا احادیث شمائل آنحضورﷺ سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد۔ (۲۰)

حضرت عمر فاروقؓ نے دقت نظر سے احادیث میں ایک فرق کیا ہے اور بتایا کہ وہ احادیث کون سی ہیں جن کا تعلق شرائع سے ہے اور وہ کون سی احادیث ہیں جن کا تعلق شرائع سے نہیں ہے اس لیے حضرت عمرؓ وہ احادیث کم بیان کرتے جن کا تعلق سنن زوائد سے ہوتا، یہ احادیث شمائل رسولﷺ، لباس اور عادات سے متعلق ہوتیں (☆)۔

ان کتب حدیث کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ احادیث کا ایک بڑا واضح حصہ سنن ہدی کی روایات پر مشتمل ہے، زمانی لحاظ سے ابتدائی کتب حدیث مثلاً مؤطا لامام مالک یا کتاب الآثار لابی حنیفہ یا مسند شافعی تمام کا مطالعہ بھی اسی کی غمازی کرتا ہے۔ ان تفصیلات سے یہ واضح کرنا تھا کہ دورِ صحابہ کرامؓ میں سنن ہدی کی روایت ہی اخذ و قبول حدیث میں مدنظر رہتی تھی۔

۲۔ روایت بالمعنی ہوتی تھی

قرآن اور سنت کا ظاہری مصدر نطق رسولﷺ تھا تاہم ان دونوں میں ایک فرق تھا کہ قرآن کے الفاظ عین مطلوب تھے جب کہ حدیث کے الفاظ مستحسن تو تھے لیکن مطلوب نہیں تھے۔ اس کی وجہ

☆ اس سے سنن زوائد کی روایت کی مطلق نفی نہیں ہوتی۔ ادارہ

یہ تھی کہ آنحضورﷺ نے خود بیان حدیث کے سلسلے میں روایت بالمعنی کی اجازت دی تھی چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں:

ان رجلا سألَ النبی ﷺ یا رسول اللّٰہ تحدثنا بحدیث لا نقدر ان نسوقه کما سمعناه فقال النبی ﷺ اذا اصاب احدکم المعنی فلیحدث. (۲۱)

ایک شخص نے رسول اللہﷺ سے پوچھا یا رسول اللہﷺ آپ حدیث بیان کرتے ہیں لیکن آپؐ کے الفاظ کو ہم من وعن بیان نہیں کر سکتے۔ اس پر آپﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مفہوم پا لے تو اس کو (اپنے الفاظ میں) بیان کر دے۔

اس مفہوم کی اور روایات بھی ہیں جو خطیب بغدادی نے "**الکفایه فی علم الروایه**" میں بیان کی ہیں، اور جن کی مثالیں کتب حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ ہم یہاں ایک مثال پر اکتفاء کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی "**الجامع الصحیح**" کی **کتاب الاداب** کے باب "**باب الرفق فی الامر کله**" میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اصحاب رسولﷺ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کے لیے دوڑے جس پر رسول اللہﷺ نے فرمایا:

"**لاتزرموه ثم دعا بدلو من ماء فصب علیه**"

(اس کو مت ڈانٹو پھر آپ نے پانی کا ڈول منگوایا اور اس پر پانی بہا دیا)۔

اس روایت کو مسلم نے دو مقامات پر نسائی نے ایک جگہ اور ابن ماجہ نے دو جگہ پر روایت کیا ہے۔ ان چھ مقامات پر راوی حدیث ایک صحابی ہی ہیں یعنی حضرت ابوہریرہؓ اور ہر جگہ روایت کے الفاظ میں فرق ہے جبکہ اسی روایت کے راوی حضرت انسؓ بھی ہیں۔ جسے بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ یہاں چاروں مقامات پر بھی الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم میں اختلاف نہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ روایت بالمعنی کیا کرتے تھے تاہم دورِ تابعین کے بعد عربی زبان و ادب میں مہارت کی کمی کی بناء پر علمائے امت نے اس کی اجازت نہیں دی۔

۳۔ تثبت فی الروایہ کا اہتمام ہوتا تھا۔

اصحاب رسول اللہﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھتے تھے، وہاں وہ کاروبار حیات میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے، اس بناء پر یہ بہت مشکل تھا کہ ہر صحابی ہر فرمان نبیﷺ سے واقف ہو۔ اس مشکل کا حل صحابہ کرامؓ نے یہ نکالا تھا کہ ایک ہی محلے کے صحابہ کرامؓ باری باری دربار رسالتﷺ میں حاضر ہوتے اور اس دن کے فرامین نبویﷺ سے ان لوگوں کو مطلع کرتے جو اس دن

دربارِ رسالت ﷺ میں موجود نہ ہوتے۔ اس طرح ہر صحابیؓ اپنی اپنی باری پر ایسا ہی کرتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اس بارے میں بیان فرماتے ہیں:

> میں اور میرا انصاری پڑوسی امیہ بن زیدؓ کی بستی میں رہتے تھے جو کہ مدینہ سے کچھ باہر تھی، ہم دونوں باری باری دربار رسالت ﷺ میں حاضری دیتے جس دن میں حاضر ہوتا تو اس دن کی روایات (فرامین نبوی ﷺ) اپنے ہمسائے کو سناتا تھا اور جس دن وہ حاضر ہوتے وہ مجھے سناتے۔[۲۲]

عام حالات میں اخذ و قبول روایت کا یہی ضابطہ معروف و مشہور تھا۔ فرد واحد کی روایت سنی جاتی اور قبول کی جاتی تھی۔ کبھی کسی روایت کو اس بناء پر رد نہ کیا جاتا کہ اس کا راوی فردِ واحد ہے۔ تاہم بعض اوقات فرد واحد کی روایت کو قبول نہ کیا جاتا اور اس کے لیے تائیدی عوامل یا روایت/روایات تلاش کی جاتیں۔ مثال کے طور پر مشہور روایت استیذان میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مزید تائید کے لیے ایک گواہ مانگا۔ اس قسم کی صورت حال میں سننے والے صحابیؓ، راوی صحابی پر کذب یا عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس کی وجوہات کچھ اور ہوتی تھیں۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان وجوہات کو ذکر کرتے ہیں:

۱۔ اس کا ایک اہم مقصد روایت حدیث میں محتاط رہنے کی تعلیم دینا تھا۔
۲۔ روایت میں نسخ کا احتمال بھی ہوتا تھا، اس لیے بہت احتیاط کے ساتھ اس کو بیان کیا جاتا تھا کہ نسخ کی صورت میں کوئی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔
۳۔ کسی روایت کے مفہوم کے بارے میں یہ تحقیق کرنا کہ یہ مستقل حکم شرعی ہے یا نہیں۔

ان خدشات ثلاثہ کی تائید خود حضرات شیخین کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سلسلے میں احتیاط کے تقاضے کے تحت روایت سے اجتناب کرتے تھے۔ جن سے مقصود روایت میں اختلاف سے ممکنہ حد تک بچنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ذہبی بیان کرتے ہیں:

> حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایت بھی بیان کرتے ہو جس کی قبولیت میں تمہارے درمیان اختلاف بھی ہوتا ہے۔ (تمہارے اس اختلاف کی وجہ سے) لوگ تمہارے بعد زیادہ اختلاف کریں گے لہذا تم بیان روایات میں احتیاط سے کام لیا کرو۔[۲۳]

حضرت عمرؓ نے بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے گواہ اسی بناء پر مانگا تھا۔ چنانچہ روایت استیذان

کے سلسلے میں بعد ازاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا:

اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتمثل الناس علی رسول اللّٰہ. (۲۴)

میں نے تمہیں ناقابل اعتماد نہیں سمجھا بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ (آگے چل کر) لوگ رسول اللہ ﷺ کی جانب غلط باتیں منسوب نہ کرنے لگ جائیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا حکم اشاعت علم کا ہے جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سے روکتے ہیں، اس کا جواب مذکورہ دونوں روایات میں موجود ہے اور وہ یہ کہ مقصود اختلاف روایات سے بچنا تھا اور آئندہ ادوار میں رسول اللہ ﷺ کی جانب غلط روایات کے منسوب ہو جانے کے امکان کا خاتمہ تھا۔ اس کے بالکل برعکس جہاں اختلاف اور کذب کی پیدائش کا امکان نہیں وہاں یہ لوگ اذن روایت ہی نہیں بلکہ روایت کو بیان کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر ہم نے بیان کیا۔ حضرت عمرؓ حدیث کی روایت کرنے سے منع کرتے لیکن جب مروی حدیث کا راوی اس حدیث کا حافظ ہوتا تو اسے روایت حدیث کی اجازت دیتے تھے۔

اسی طرح بعض روایات کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جاتا تاکہ پتہ چل سکے کہ یہ حکم شرعی منسوخ تو نہیں، مستقل حکم شرعی ہے یا نہیں۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادی کی میراث کے بارے میں پوچھا کہ کسی فرد کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان کا علم ہو تو ہمیں بتائے۔ حضرت مغیرہؓ نے اس پر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دادی کو ۱/۴ دیا تھا جس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت مغیرہؓ سے گواہ طلب کیا۔ اس روایت کو بیان کر کے ذہبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا مقصد روایت حدیث میں احتیاط کو مدنظر رکھنا تھا۔ ﴿**کان اوّل من احتاط فی قبول الاخبار**﴾. (۲۵) جبکہ اس روایت کے بارے میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''دادی کی میراث کے بارے میں حضرت مغیرہؓ کی روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو توقف کیا اس کی کوئی وجہ ضرور تھی جس کو جاننے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یا تو آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہے یا آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کسی اور صحابیؓ کو اس روایت کا علم ہے تاکہ حکم موکد ہو جائے۔ جیسے حاکم یا قاضی کسی اہم کیس میں دو گواہوں کے باوجود مزید اطمینان کے لیے مزید شہادت طلب کرتا ہے، یا آپؓ نے اس لیے تائید چاہی کہ لوگ روایت میں تساہل سے کام نہ لیں۔ آپؓ کے اس طرزِ عمل کو ان وجوہات میں سے کسی ایک پر محمول کرنا واجب ہے''(۲۶)

اصحابِ رسولﷺ کے ہاں بعض روایت معمول بہ نہ تھیں۔ اس بناء پر کہ صحابہ کرامؓ انہیں منسوخ خیال کرتے تھے۔ یا کسی روایت پر صحابہ کرامؓ کے ہاں تعامل اس بناء پر ثابت نہیں کہ مرجوح کے مقابل راجح روایت ان کے پاس موجود تھی جو مرجوح روایت پر عمل کرنے میں مانع تھی یا بعض اوقات کسی روایت پر صحابہ کرامؓ کے ہاں عمل اس لیے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس متروک روایت کو آنحضور ﷺ کی خصوصیات میں شمار کرتے تھے یا پھر صحابہ کرامؓ نے اسے مستقل حکم شرعی نہیں سمجھا۔ ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

نسخ کی مثال

امام بخاریؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز کی حالت میں ایک دوسرے سے باہم بات کر لیا کرتے تھے حتیٰ کہ آیت کریمہ "**حٰفظوا علی الصّلوٰت والصلوة الوسطی**"(۲۷) نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں سکوت کا حکم دیا گیا۔ (باتوں سے روک دیا گیا)۔ اس روایت کو امام بخاریؒ دو جگہ لائے ہیں ایک کتاب التفسیر "**باب قوموا للّٰہ قٰنتین**" میں دوسرے **ابواب العمل فی الصلوة** کے "**باب ما ینھی من الکلام فی الصلوة**" میں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نماز میں کلام والی روایت صحابہ کرامؓ کے ہاں معمول بہ نہ تھی کہ ناسخ موجود تھا۔

دوسری مثال

اس نسخ کی دوسری مثال امام ترمذی کی روایت کردہ وہ روایت ہے جس میں امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں دخول مع انزال کی صورت میں غسل واجب ہوتا تھا لیکن بعدازاں اس حکم کو منسوخ کر کے صرف اذا جاوز الختان یا ادخال پر غسل واجب کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ سے ترمذی روایت کرتے ہیں: "**انما کان الماء من الماء فی اوّل الاسلام ثم نھی عنھا**"۔(۲۸) اس قسم کی اور بھی مثالیں ذخیرہ حدیث سے بیان کی جا سکتی ہیں۔

۴۔ راجح روایت کی بناء پر مرجوح روایت کے ترک کی مثال

دورِ صحابہ کرامؓ میں بعض اوقات روایت پر عمل اس بناء پر نہ کیا جاتا کہ اس کے مقابلے میں راجح روایت موجود ہوتی تھی تاہم مرجوح روایت کو منسوخ خیال نہ کیا جاتا۔ اس سلسلے میں امام ترمذی کتاب الصلوٰة میں دو روایات بیان کرتے ہیں، ہر ایک روایت میں جمع بین الصلاتین کا حکم ہے جسے ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یوں روایت کیا ہے۔ "کہ رسول اللہﷺ نے مدینہ منورہ

میں ظہر، عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو بغیر کسی خوف اور بارش کے اکٹھے پڑھا''۔ اس کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے ہی دوسری روایت امام ترمذیؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دو نمازوں کو بلا عذر اکٹھے پڑھا اس نے گناہ کبیرہ کیا''۔ ان دونوں روایات کو بیان کر کے دوسری روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس کا ایک راوی ''حنش بن قیس'' ضعیف ہے جب کہ پہلی روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ خاموش ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلی روایت میں ترمذیؒ کے مطابق کوئی راوی ضعیف نہیں ہے لیکن امام ترمذیؒ دونوں روایات کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ اہل علم کا عمل اس (دوسری ضعیف روایت) پر ہے کہ یوم عرفہ اور سفر کے علاوہ دو نمازیں جمع نہیں کی جائیں گی۔(۲۹) امام ترمذیؒ کے اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ صحابہ کرامؓ میں پہلی روایت پر عمل ثابت نہیں اور یہ کہ مذکورہ روایت کو منسوخ بھی نہیں سمجھا گیا۔

۵۔ بعض روایات کو مستقل حکم شرعی نہیں سمجھا گیا

ذخیرہ حدیث میں بعض روایات ایسی ہیں جو روایتاً صحیح ہیں تاہم دورِ صحابہ کرامؓ میں ان پر عمل ثابت نہیں۔ ان مرجوح روایات کے بارے میں منسوخ ہونے کا بھی پتہ نہیں چلتا اور ان کو مستقل حکم شرعی بھی خیال نہیں کیا گیا۔ اس بناء پر کہ پورے ذخیرہ حدیث میں اس قسم کی شاید ایک روایت ہی ملتی ہے جس کی مؤید کوئی دوسری روایت بھی نہیں ملتی، اس قسم کی روایات کو متعلقہ فرد یا موقعہ محل کی مخصوص صورت کی بناء پر آنحضور ﷺ کا مخصوص حکم خیال کیا گیا، اس کی مثال امام بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ مجھ پر حد جاری فرما دیجئے۔ وہ شخص بیٹھا تھا کہ نماز کا وقت ہوا، ان صاحب نے آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز باجماعت پڑھی۔ نماز کے بعد اس نے پھر کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے گناہ ہوا ہے۔ مجھ پر حد جاری فرما دیجئے جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا اللہ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کے تین پہلو بیان کیے ہیں جن میں ایک پہلو یہ ہے: ''ان ذلک یختص بالرجل المذکور فی القصة''.(۳۰) ہم نے ابن حجرؒ کے بیان کردہ اس پہلو کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ تعامل صحابہؓ اس پہلو کی تائید کرتا ہے۔

اسی طرح نجاشیؒ کی نماز جنازہ کا مسئلہ ہے اس روایت کو بخاریؒ نے چار مختلف ابواب میں، مسلمؒ نے ایک مقام پر، ترمذیؒ نے ایک مقام پر، نسائیؒ نے دو مقامات پر اور ابن ماجہؒ نے ایک مقام پر

روایت کیا ہے۔ جبکہ ابو داوٗدؒ نے اسے روایت نہیں کیا۔ روایت کرنے والوں نے بھی اس کو اثبات نماز جنازہ علی الغائب کی دلیل نہیں بنایا۔ صرف نجاشیؓ کے بارے میں آنحضورﷺ کا طرزِ عمل بیان کیا ہے۔ اس روایت کے بارے میں احمد بن حنبلؒ نے یہاں تک فرمایا ہے:

"توفی فی زمن النبی اناس من اصحابه غائبین ولم یثبت علی احد منهم و صححه ابن قیم" (۳۱)

۶۔ حکم قرآنی سے متعارض روایت قبول نہ کی جاتی

نبیؐ کی کوئی بات قرآن سے متصادم نہیں ہو سکتی کہ نبیؐ شارح قرآن ہے نہ کہ ناسخ قرآن۔ تاہم بعض اوقات روایت کرنے والے صحابی کو روایت سننے یا سمجھنے میں غلطی ہو سکتی تھی جس کو صحابیؓ اسی طرح آگے روایت کر دیتے تھے۔ ایسی صورت میں روایت اگر قرآن سے متصادم ہوتی تو قبول نہ کی جاتی۔ اس سلسلے کی مثال امام مسلمؒ کی روایت کردہ فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے جس کے مطابق فاطمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی تو رسول اللہﷺ نے مجھے خرچہ دلوایا اور نہ رہائش لیکن حضرت عمرؓ کے سامنے کسی دوسرے کیس کے سلسلے میں بطور حوالہ جب یہ روایت بیان کی گئی آپؓ نے اس روایت کو قبول نہ کیا اور فرمایا:

لا نترک کتاب اللّٰہ و سنة نبینا لقول امراة لعلها حفظت اونسیت و کان عمر یجعل لها السکنی والنفقة"۔

یہ روایت بیان کر کے امام ترمذیؒ کا کہنا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس روایت کو قبول نہیں کیا، اس لیے کہ یہ روایت آیت کریمہ **"لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یأ تین بفاحشة مبیّنة"** کے خلاف ہے۔ (۳۲)

اسی طرح بعض اوقات صحابیؓ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فتوی دیتے لیکن جب انہیں اس بارے میں کوئی روایت مل جاتی تو اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال اس سے پہلے ہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے فتویٰ اور اس پر عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ دوسری مثال مسلم کی وہ روایت ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سحری کے وقت جنبی حالت میں ہو وہ روزہ نہ رکھے۔ امام مسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے یہ روایت فضل ابن عباسؓ سے سنی تھی۔ براہ راست آنحضورﷺ سے نہ سنی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے جب یہ روایت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ نے سنی تو اس کی تصدیق حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت

ام سلمہؓ سے چاہی، دونوں ازواج مطہراتؓ نے اس روایت کی تردید کی اور فرمایا: رسول اللہﷺ اس حالت میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ دونوں حضرات واپس حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آئے اور ازواج مطہراتؓ کی روایت بیان کی اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:

اهما قالتاه؟ قال نعم، قال هما اعلم، ثم ردّ ابوهريرةؓ ما كان يقول في ذلک إلى الفضل بن العباس فقال أبوهريرةؓ سمعت ذلک من الفضل ولم اسمعه من النبى قال فرجع ابوهريرةؓ عما كان يقول. (۳۳)

کیا دونوں (ازواج مطہراتؓ) نے ایسا کہا؟ فرمایا ہاں جی! ابوہریرہؓ نے فرمایا، وہ مجھ سے زیادہ جاننے والی ہیں۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے اس قول کو حضرت فضل بن العباسؓ کی طرف منسوب کیا اور فرمایا: میں نے یہ روایت فضل بن عباسؓ سے سنی ہے براہ راست رسول اللہﷺ سے نہیں سنی۔ اس کے ساتھ ہی آپؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

اس بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ:

۱۔ صحابہ کرامؓ حکم قرآنی سے متصادم روایت قبول نہ کرتے تھے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ ارسال روایت سے بھی کام لیتے تھے۔ (☆)

۷۔ مشاہدات عقلی کے خلاف روایت قبول نہ کرتے تھے

اصحاب رسولﷺ روایت حدیث میں یہ بات بھی مدنظر رکھتے تھے کہ روایت مشاہدات عقلی کے خلاف تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو روایت قبول نہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں دو روایات ملاحظہ ہوں:

امام ترمذیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم ہے، اگرچہ وہ پنیر کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کیا ہم گھی کھا کر وضو کریں؟ کیا آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کریں؟ جس کا جواب حضرت ابوہریرہؓ نے یہ دیا کہ اے بھتیجے جب تم رسول اللہﷺ کی حدیث سنو تو مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ (۳۴) اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو تسلیم نہیں کیا کہ یہ مشاہدات عقلی کے خلاف ہے۔

☆ اس روایت میں حضرت ابوہریرہؓ نے جنبی کے روزہ کا مسئلہ اپنے طور پر بتایا ہے نہ کہ اسے بطور روایت نقل کیا ہے اور نہ اسے نبی کریمﷺ کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس سے ارسال معلوم ہو۔

اسی طرح ترمذیؒ اور ابو داؤدؒ دونوں ائمہ حدیث نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو خود بھی غسل کر لے اور جنازہ اٹھائے وہ (واپسی) پر وضو کر لے۔ یہ روایت جب حضرت عائشہ صدیقہؓ تک پہنچی تو آپؓ نے اس روایت کو یہ کہہ کر رد فرما دیا۔ "**فقالت او ینجس موتی المسلمین وما علی رجل لو حمل عوداً**"،[٣٥] کیا مسلمان میتیں نجس ہو جاتی ہیں اور اس فرد کو کیا ہوگیا (کہ غسل کر لے) جس نے لکڑی اٹھائی (یعنی جنازے کو کندھا دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ روایت و قبولیت حدیث میں مشاہدات عقلی کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کا یہ طریق تحقیق، بیان و قبول حدیث کے بارے میں ائمہ حدیث کے ہاں اصول کا درجہ اختیار کر گیا جس کو خطیب بغدادی نے یوں بیان کیا۔

ولا یقبل خبر الواحد فی منافاۃ حکم العقل و حکم القرآن الثابت المحکم والسنۃ المعلومۃ والفعل الجاری بمجری السنۃ و کل دلیل مقطوع بہ.[٣٦]

جو خبرِ واحد عقل کے تقاضوں، نص قطعی اور سنت معروفہ کے خلاف ہو یا کسی ایسے عمل کے خلاف ہو جو سنت کے قائم مقام ہو یا کسی دلیل قطعی کے مطابق نہ ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

٨۔ دورِ فتن میں صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

آنحضور ﷺ کی ہمہ جہتی تعلیمات میں ایک تعلیم یہ بھی تھی کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر کیا کرو۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

نحن معاشرۃ الانبیاء نکلم الناس علی قدر عقولھم.[٣٧]

ہم انبیاء کا گروہ ہیں ہم لوگوں سے گفتگو ان کی ذہنی سطح کے مطابق کیا کرتے ہیں۔

آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ بعثت نبوی ﷺ کا مقصد وحید تعلیم تزکیہ نفس ہے تو اس مقصد کے حصول کی خاطر جو فرد جتنی بات سمجھے نبی اتنی ہی بات کرتے ہیں تاکہ تعلیم و تزکیہ کا کام اور اس کے نتائج باحسن حاصل ہوسکیں۔ اصحاب رسول ﷺ بھی روایت میں یہی چیز مدنظر رکھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم سیکھے ہیں، ان میں ایک علم تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، دوسرا علم اگر بیان کروں تو تم لوگ میری گردن کاٹ دو گے۔[٣٨]

جب حضرت عثمانؓ کے خلاف سبائیوں نے فتنہ کھڑا کیا اور اس فتنے کو ہوا دینے کے لیے جھوٹی احادیث بھی گھڑی جانے لگیں (اس فساد کی بنیاد کوفہ تھا) تو اس صورت حال میں صحابہ کرامؓ روایت حدیث میں مزید محتاط ہو گئے۔ اس سلسلے میں تین چیزیں مدنظر رکھی جانے لگیں۔

پہلی چیز یہ کہ روایت صرف اس فرد کی قبول کی جاتی جس کو صحابہ کرامؓ بخوبی جانتے، چنانچہ عبداللہ ابن عباسؓ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

> ایک دور تھا کہ جب لوگ قال رسول اللہﷺ کہتے تھے تو ہماری نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتیں اور ہم کانوں کو اس کی طرف لگا دیتے۔ لیکن جب (عوام الناس) نے کمزور اور طاقتور اُونٹوں پر سفر شروع کر دیا تو ہم صرف اس سے حدیث لیتے جس کو جانتے تھے۔(۳۹)

یعنی صحابہ کرامؓ ناواقف فرد کی روایت قبول کرنے میں بہت احتیاط کرنے لگے۔

دوسری چیز یہ مدنظر رکھی جانے لگی کہ معاشرے میں صرف معمول بہ اور معروف روایات ہی بیان کی جانے لگیں اور معروف روایات ہی قبول کی جانے لگیں۔ اس سلسلے میں خود سیّدنا حضرت علیؓ کا قول امام بخاریؒ نے یوں روایت کیا ہے:

> **حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللّٰہ و رسولہ.**(۴۰)
> لوگوں کے سامنے وہ احادیث روایت کیا کرو جن کو پہچانتے ہو۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کو جھٹلایا جائے۔

سیّدنا علیؓ کا اس قسم کا قول امام ذہبیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

تیسری چیز یہ سامنے رکھی جاتی کہ سیّدنا علیؓ سے منسوب روایات پر اس وقت تک اعتماد نہ کیا جاتا تھا جب تک کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور آپ کے شاگرد اس کی تصدیق نہ کرتے، اس لیے کہ شیعت کا فتنہ کوفہ سے اُٹھا تھا۔ یہ لوگ اپنے مسلک کی تقویت کی خاطر جھوٹی احادیث گھڑتے اور انہیں حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا کرتے۔ اس کذب فی الروایات کا سدباب یہ کیا گیا کہ روایات علیؓ کی تصدیق عبداللہ ابن مسعودؓ اور آپؓ کے ساتھیوں سے کرائی جاتی۔ چنانچہ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ فرماتے ہیں:

لم یکن یصدق علی علیٰ فی الحدیث عنه الا من اصحب عبداللّٰہ ابن مسعود. (۴۱)

سیّدنا علی سے منسوب اسی روایت کو قبول کیا جاتا جس کی تصدیق عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھی کرتے تھے۔

دورِ فتن کا یہ انداز روایت تھا جو آگے چل کر ایک اصول بن گیا اور وہ یہ تھا کہ اہل بدعت کی روایات کو مطلقاً قبول نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی تائید نہ ہو۔ اس سلسلے میں ابن قیمؒ کہتے ہیں: ''اللہ اس گروہ کا برا کرے کہ جنہوں نے حضرت علیؓ کے علم کا بڑا حصہ ان کی طرف جھوٹی روایات منسوب کر کے محدثین کی نظر میں مشتبہ کر دیا۔ اس لیے احادیث صحیحہ کے متلاشی محدثین بجز حضرت علیؓ کے گھر والوں اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے اصحابؒ کی وساطت سے آئی ہوئی حضرت علیؓ کی روایات کے علاوہ آپ سے مروی دیگر روایات پر اعتماد نہیں کرتے۔(۴۲) اس اصول کی بنیاد سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے رکھی، اس سلسلے میں خطیب بغدادیؒ نے عبداللہ ابن مبارکؒ سے بیان کیا ہے:

''امام اعظمؒ سے ابومسلمہؒ نے دریافت کیا کہ اہل ھویٰ سے روایت کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں، جواب دیا کہ سب سے روایت کر سکتے ہو بشرطیکہ وہ عادل ہوں لیکن شیعہ سے نہ لینا کیونکہ ان کے عقیدہ کی بنیاد آنحضورﷺ کے صحابہ کرامؓ کی تذلیل پر ہے''(۴۳)

بات اطاعت رسولﷺ تھی جس سے پہلوتہی کا تصور بھی صحابہ کرامؓ کے ہاں نہ تھا۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے یہ وہ ضابطے تھے جو صحابہ کرامؓ مدنظر رکھتے تھے اور جن کی پیروی دیگر صحابہ کرامؓ بھی کرتے تھے۔ اسی سے لے کر تفہیم و تعمیل حدیث کے سلسلے میں وہ اصول قائم کیے گئے جس کے نتیجے میں امت کے لیے تعلیمات رسولﷺ ہر رطب و یابس سے محفوظ ہوگئیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان اصول و ضوابط کی موجودگی میں صحابہ کرامؓ میں علمی اختلاف نہ ہوتا تھا، اگر ایک ہی حکم کے بارے میں مختلف روایات ہوتیں اور ہر راوی کو اپنی روایت کی صحت اور اس کی تعاملی حیثیت پر یقین ہوتا تو اس کے نتیجے میں عمل اگرچہ اپنی روایت کردہ حدیث پر کیا جاتا تاہم دوسرے کی روایت کو بھی صحیح اور قابل عمل خیال کیا جاتا تھا۔ صحابہؓ، تابعین اور علمائے اسلام کے درمیان جزوی اختلافات کی بناء اسی قسم کی روایاتِ صحیحہ مختلفہ ہیں جن کی صحت اور جن کی تلقی بالقبول بھی ثابت ہے۔ موجودہ دور میں رفع الیدین، آمین بالجھر، رفع و ارسال یدین اور دیگر اختلافی مسائل کی یہی حیثیت ہے۔ ان میں مختلف لوگوں کا مختلف طرزِعمل اتباع سنت کی بناء پر ہی ہے نہ کہ سنت سے فرار کے نقطہ نظر

ہے۔ اس قسم کے اختلاف کو آنحضورﷺ نے "اختلاف امتی رحمة" فرمایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ تعاملی اختلاف دراصل قدرت کے نادیدہ ہاتھ کا ایسا کام تھا جس کا مقصد رسول اللہﷺ کی ہر ادا اور حکم کو امت کے لیے محفوظ کرنا تھا اس لیے آج کی مشکل گھڑی میں روایت و قبول حدیث کے ان اصولوں اور ضابطوں کو مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ دین کا نام لے کر ہم دین کی بیخ کنی کے مجرم نہ ہوں۔ دین امت کے اتحاد و تحفظ کے لیے ہے نہ کہ تفریق و تشنیع کے لیے۔

زا اجتہادِ عالما نے کم نظر

اقتدا با رفتگان محفوظ تر

(اقبال)

حواشی

۱۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی، عبداللہ (م ۱۱۲۲ھ) "شرح المواهب اللدنیه"، جلد ۳، ص۱۹۳، دارالمکتبۃ العلمیہ، بیروت ۱۹۵۴ء

۲۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، امام، (۲۷۵ھ) "السنن لابی داؤد" کتاب الصلوٰة، باب الامام یکلم الرجل فی خطبة.

۳۔ الحاکم، محمد بن محمد، ابو عبداللہ نیشاپوری (م۴۰۵ھ) "المستدرک مع التلخیص للذهبی، کتاب الایمان، جلد ۱، ص ۶۲ دارالکتاب العربی بیروت، لبنان ۱۹۸۷ء۔

۴۔ البقرہ ۱۳۸:۲

۵۔ التوبہ ۲۵:۹

۶۔ الانفال ۷۴:۸

۷۔ التوبہ ۱۰۰:۹

۸۔ النساء ۱۱۵:۴

۹۔ سرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ (م۴۸۳ھ) "تمهید الفصول علی علم الاصول" المعروف اصول السرخسی جلد ۱ ص۳۱۸ دارالمعارف نعمانیہ، مکتبہ مدینہ، اُردو بازار، لاہور

۱۰۔ مالک بن انس، امام (م۱۷۹ھ) "الموطا" باب لبس اثبات المصبغة فی الاحرام، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام (م۲۵۶ھ)، "الجامع الصحیح للبخاری" کتاب المناسک، "باب اذا حاضت المراة بعد ما افاضت".

۱۲۔ ابن سعد، محمد بن سعد، ابو عبداللہ، امام (م۲۳۰ھ) "الطبقات الکبریٰ" ج ۲، ص ۱۰۴

۱۳۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، حافظ (م۷۵۱ھ) "اعلام الموقعین عن کلام سیّدالمرسلین" ج ۱، ص۳۹

۱۴۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ۱/۵۲۸

۱۵۔ المستدرک مع التلخیص، ج ۱، ص۲۱۷

۱۶۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، امام (م۲۶۱ھ) "الجامع الصحیح للمسلم" کتاب الفضائل، "باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ما ذکره رسول الله ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرأي".

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبدالبر، ابو عمرو (م۴۶۳ھ) "جامع بیان العلم و فضله" ج ۲، ص۱۴۸

۱۹۔ ایضاً ج ۲، ص ۱۴۹

۲۰۔ ولی الله، قطب الدین، شاہ ولی الله (م۱۱۷۶ھ) "ازالة الخفا عن خلافة الخلفاء" ج ۲، ص ۱۴۱، سہیل اکیڈمی، اُردو بازار، لاہور

۲۱۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، حافظ (م۴۶۳ھ) "الکفایه فی علم الروایه" ص ۳۰۲، دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدر آباد، دکن، بھارت

۲۲۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم.

۲۳۔ ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، شمس الدین حافظ، (م۷۴۸ھ) "تذکرة الحفاظ" ج ۱، ص ۲، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حیدر آباد، دکن، بھارت۔

۲۴۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام (م۲۰۴ھ) "الرساله" ص ۴۳۵، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر۱۹۹۲ء

۲۵۔ تذکرة الحفاظ، ج۱، ص ۲

۲۶۔ غزالی، محمد بن محمد، امام (م۵۰۵ھ) "المستصفی" ج ۱، ص ۱۵۴ المطبعۃ الامیریہ بولاق، مصر

۲۷۔ البقرۃ ۲: ۲۳۸

۲۸۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ، امام (م۲۷۹ھ) "الجامع للترمذی"، ابواب الطهارة، باب ما جاء ان الماء بالماء

۲۹۔ الجامع للترمذی، کتاب الصلوة، باب ما جاء فی الجمع بین الصلا تین فی الحضر

۳۰۔ العسقلانی، احمد بن علی، ابن حجر، حافظ (م۸۵۲ھ) فتح الباری ج ۱۲، ص ۱۳۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

۳۱۔ ابن الصالح، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، تیسر العلام شرح محمدة الاحکام، ج ۱، ص۳۵۸ ادارة المساجد والمشاریع الخیریه بالریاض السعودیة العربیه ۲۰۰۰ء

۳۲۔ الجامع للترمذی، ابواب الطلاق، باب ما جاء فی المطلقة ثلا ثا لا سکنی لها ولا نفقه.

۳۳۔ الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الصیام، باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وهو جنب.

۳۴۔ الجامع للترمذی، ابواب الطهاره، باب ما جاء فی الوضوء هما غیرت النار.

۳۵۔ زرکشی، محمد بن عبداللہ، علامہ (م۸۵۱ھ) الاجابه لایراد ما استدرکته عائشه علی الصحابهؓ، ص ۱۳۵، المکتبۃ الاسلامی، ریاض

۳۶۔ الکفایہ فی علم الروایہ، *ص ۴۳۲*۔

۳۷۔ *ابو داوَد، سلیمان بن اشعث، امام (م۲۷۵ھ)* السنن لابی داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلھم.

۳۸۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم

۳۹۔ الجامع الصحیح للمسلم، *مقدمہ*

۴۰۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم

۴۱۔ الجامع الصحیح للمسلم، *مقدمہ*

۴۲۔ اعلام الموقعین عن کلام سیّدالمرسلین

۴۳۔ الکفایہ فی علم الروایة، *ص* ۱۳۶